سر سیّد احمد خان اور اردو زبان، تہذیب الاخلاق کے تناظر میں

ڈاکٹر انصار شیخ☆

Sir Syed Ahmed Khan and Urdu language in the perspective of "Tehzeeb UL Akhlaq"

Dr. Ansar Shaikh

Abstract:

The contributions of Delhi College, Fort WilliamCollege and Mirza Asadullah Khan Ghalib have remained appreciable in the development and propagation of Urdu language.

In the same epoch, Sir Syed Ahmed Khan rose in the horizon of Urdu literature and dedicated his whole life in the Indian Muslims' national reformation, educational revolution and progress of Urdu language. In this regard, his writings, Ali Garh Movement and magazine Tehzeebul Akhlaq, played an operative role.

Tehzeebul Akhlaq especially contributed in the evolution and fruition of various aspects of Urdu literature.They were the Sir Syed Ahmed Khan and other writers of Tehzeebul Akhlaq who contributed to Urdu in a way that the language, progressed and achieved so expeditiously with in a span of few years, an expanse set for centuries. In this research paper, I have tried my level best to sketch,give an outlook, study and critically examine the leading aspects of involvements of "Sir Syed Ahmed Khan and Resala Tehzeebul Akhlaq" due to which Urdu language and its literature has flourished and developed to an extent that the language is now ranked amongst the other rich, leading and developed languages of the world.

Key words:

Sir Syed Amhed Khan, Urdu language, perspective, contribution, civilization

☆ اسسٹنٹ پروفیسر (اردو)، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

کلیدی الفاظ:

سر سیّد احمد خان، اردو زبان، تہذیب الاخلاق، ہندوستان، مضامین

کوئی بھی زبان جب وجود میں آتی ہے، تو اُس کے نظم و نثر کے سرمائے کو ثروت مند بنانے میں شخصیات، تحریکیں اور ادارے نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ کبھی کبھار اکنافِ عالم سے ایسی شخصیت بھی اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ جو تنِ تنہا کسی ادارے اور تحریک سے زیادہ فعال کردار ادا کر کے اپنا لوہا منوا لیتی ہے۔ اردو ادب کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس کو فروغ دینے والوں میں ایسے سرگرم لوگوں کی معقول تعداد موجود ہے۔ تاریخی اعتبار سے اردو نثر کے مقابلے میں اردو شاعری کو فوقیت حاصل ہے۔ بلاشبہ اردو زبان کو سنوارنے اور اُجالنے میں ہمارے قدیم شعرا نے شاعری میں نت نئے تجربات، مشاہدات، شعری روایات، داخلی جذبات واحساسات اور خارجی اثرات کو پیش کرتے ہوئے اِس ارتقائی عمل میں اپنا حصّہ ڈالا ہے۔ چناں چہ حضرت امیر خسرو سے لے کر فورٹ ولیم کالج تک کا زمانہ اردو زبان کی نشوونما میں نہایت سازگار رہا ہے۔ اردو زبان کی یہ ترقّی تنقیدی اور تخلیقی سطح پر زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام کا مقصد خواہ کچھ بھی ہو، لیکن اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو زبان کو سادہ اور عام فہم بنانے کی شعوری کوششیں اِس کالج کے توسّط ہی سے ہوئیں۔ اُس وقت نثری ادب میں عام رجحان عربی فارسی الفاظ کا کثیر استعمال اور مقفّٰی و مسجّع نثر کی طرف تھا۔ کالج کے مصنّفین و مترجمین نے تقریباً نصف صدی مرصّع اور مسجّع نگاری کی گرد کو سادگی اور سلاست سے صاف کیا۔ اِسی طرح دلّی کالج اور مرزا اسد اللہ خاں غالب کی مساعی بھی اردو زبان کو پروان چڑھانے میں قابلِ قدر رہی ہیں۔ ان سب کی کاوشیں اپنی جگہ، لیکن جو کام ''علی گڑھ تحریک'' کے روحِ رواں اور ''تہذیب الاخلاق'' کے بانی سر سیّد احمد خان نے اردو زبان کی ترقّی و ترویج کے لیے کیا، وہ سب پر حاوی رہا۔ اِسی پہلو کو زیرِ بحث مقالے میں تہذیب الاخلاق کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، اِس کی تفہیم کے لیے اس کے پس منظر سے آگاہی ضروری ہے۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب جسے غدر، بغاوت، سرکشی اور جنگِ آزادی کا نام دیا گیا، ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ تحریکِ آزادی کی وجوہ سے قطعِ نظر ہندوستان پر غاصبانہ قبضے کو ہندوستانیوں نے کبھی قبول نہیں کیا، اس پر مستزاد نئے آقاؤں کے سیاسی، سماجی، مذہبی، اخلاقی اور معاشی استحصال نے ہندوستانی عوام کو اُن سے متنفر کر دیا تھا، چناں چہ ناروا سلوک، ظلم اور ناانصافیوں نے مقامی لوگوں میں

شدید احساسِ محرومی اور مایوسی کو جنم دیا، جس سے عوام وخواص میں ہر طرف تاریکی اور جہالت چھا گئی۔ چوں کہ ملّت کا شیرازہ بکھر چکا تھا، اِسے یک جا کرنے کے لیے کسی مسیحا کی ضرورت تھی۔ ایسے میں سرسیّد کی ذات ہی تھی، جس نے ہندوستانیوں کی حالتِ زار کو دیکھتے ہوئے اِن پر پڑے ہر نوع کے اندھیروں اور دُوریوں کو رفع کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ سب سے پہلے آپ نے سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے انگریزوں سے تعلّقات استوار کیے۔ جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں کے دلوں سے بد گمانیاں زائل کرنے کی غرض سے ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' لکھی۔ دراصل سرسیّد نے اِس حقیقت کو جان لیا تھا کہ حکمران طبقے سے میل جول قائم کرنے اور دوستی گانٹھے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے۔ وہ اِس بات سے بھی آگاہ ہو گئے تھے کہ مغرب کی ترقّی جدید علوم وفنون ہی کی وجہ سے ہے۔ اِس سے استفادہ کرنا ازبس ضروری ہے، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ابتدا ہی سے اُن سے ربط وضبط بڑھانے اور فروغِ علم کے لیے کوششیں تیز رکھیں۔ لہٰذا علی گڑھ کالج کے آغاز سے بہت پہلے انھوں نے مرادآباد اور غازی پور میں مدارس قائم کر دیے۔ غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام بھی جدید علوم کی جانب پیش قدمی تھا۔[۱]

اردو زبان سے سرسیّد کا طبعی میلان آغاز ہی سے تھا۔ سائنٹفک سوسائٹی کا مقصد بھی غیر زبانوں سے مختلف علوم وفنون کے سرمائے کو اردو زبان میں منتقل کرنا تھا، تاکہ دیسی زبان کے ذریعے علومِ جدیدہ کی تحصیل ہو سکے۔ اِسی سوسائٹی کے تحت ایک اخبار ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' کا اجرا کیا گیا، جو سرسیّد کی وفات کے بعد بھی نکلتا رہا۔ بہ حیثیت مدیر سرسیّد نے اِس اخبار میں انگریزی کے ساتھ اردو کو بھی برابر کی جگہ دی۔ انگریزی حکومت اور ہندوستانیوں کے خیالات و معاملات کو اِسی اخبار کے ذریعے اُجاگر کیا گیا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے جو وقعت اور اعتبار اِس اخبار نے حکومت اور حکّام کی نظر میں حاصل کیا، وہ کسی اور اخبار کے حصّے میں نہیں آیا۔[۲] دیسی زبان کی اہمیت سمجھتے ہوئے سرسیّد نے اردو یونی ورسٹی قائم کرنے کی تجویز حکومت کے سامنے پیش کی، جس میں اردو زبان کے ذریعے تمام علوم وفنون کی تعلیم دی جائے۔ اردو زبان کے مخالفین اور انگریزی تعلیم کے تنزّل کے سبب سرسیّد مجوّزہ ورنیکولر یونی ورسٹی کے خیال سے دست بردار ہو گئے۔[۳] حقیقت یہ ہے کہ دیسی زبان کی یونی ورسٹی قائم کرنے اور اس میں اعلیٰ تعلیم دینے کا خیال سب سے پہلے سرسیّد ہی کو آیا اور اگر یہ یونی ورسٹی قائم ہو جاتی تو زبان کی ترقّی کی حالت یقیناً کچھ اور ہوتی۔[۴]

سر سیّد احمد خان ساری زندگی اِس بات کے لیے کوشاں رہے کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ہندوستان میں جدید علوم کی اشاعت و تعلیم اردو زبان میں ہو۔ اردو زبان سے محبّت اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ اردو کی حمایت میں ہمہ دم کمر بستہ رہتے تھے۔ جب بھی زبانِ اردو پر آنچ آئی یا اس کے خلاف سازشیں ہوئیں، وہ خم ٹھونک کر اکھاڑے میں اُتر آتے۔ مخالفین سے نبرد آزما ہونے کے لیے وہ تن من دھن کی بازی لگا دیتے۔ اس کام کو وہ ایک قومی فریضہ سمجھتے ہوئے انجام دیتے۔ ۱۸۶۷ء میں بنارس کے بعض سربرآوردہ ہندوؤں کی جانب سے جب یہ تحریک ہوئی کہ سرکاری عدالتوں میں سے اردو کو موقوف کر کے ہندی اور ناگری حرف نافذ کی جائے، تو مشکل کی اس گھڑی میں سر سیّد اردو زبان کی حمایت کے لیے میدان میں نکل آئے۔ آپ نے اِس منصوبے کی سخت مخالفت کی۔ پہلی بار انھیں احساس ہوا کہ سر زمینِ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا بہ حیثیت ایک قوم کے ساتھ چلنا اور آگے بڑھنا محال ہے۔ اردو کی حمایت میں آپ نے متعدّد مضامین لکھے، لیکن ان کی کوششیں بارآور نہ ہوئیں، بالآخر آپ کی وفات کے بعد ہندی اور اردو کی بجاے عدالتی زبان انگریزی قرار دے دی گئی۔ (۵) اِس تمام صورتِ حال سے سر سیّد پر یہ بات عیاں ہو گئی کہ اردو زبان کو ختم کرنے کی تمام تر سازشیں مبنی بر حقیقت ہیں۔ چناں چہ انھوں نے پھر اپنی تمام صلاحیتیں اور کوششیں مسلمانوں کی ترقّی اور فلاح کے لیے وقف کر دیں حالاں کہ اِس واقعے سے قبل وہ ہندو مسلم اتّحاد کے زبردست حامی رہے تھے۔ اپنے مضامین میں بارہا انھوں نے دونوں قوموں کی یک جہتی اور اتّفاق پر زور دیا تھا۔ اصلاحی اور تعلیمی ترقّی میں بھی وہ دونوں کے لیے یک ساں کاوشیں کرتے رہے۔ انھوں نے کبھی تفاوت نہیں کیا۔ در حقیقت اِس لسانی فرق ہی نے دو قومی نظریے کی بنیاد فراہم کی، جس نے آگے چل کر اِسی نظریے پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

سر سیّد احمد خان عزمِ جزم کی عملی تفسیر تھے، جس کام کا وہ تہیہ کر لیتے تھے، اُسے تکمیل یا انجام تک پہنچانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیتے تھے۔ جنگِ آزادی سے سفر لندن تک آپ کی تعلیمی، سماجی، سیاسی، اصلاحی، مذہبی اور صحافتی کاوشیں ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ قیامِ لندن میں بھی آپ کی مصروفیات علمی نوعیت ہی کی رہیں۔ سیر سپاٹوں کی بجاے آپ وہاں کی تعلیمی درس گاہوں کا جائزہ لیتے رہے۔ اِس جائزے میں جو بات اُن کے دل کو بھائی، وہ اوّل تا آخر ذریعۂ تعلیم مادری زبان تھی۔ اِسی طریقِ تدریس کو وہ اپنے ملک میں رواج دینے کے خواہش مند تھے۔ اردو زبان میں تراجم اور ورنیکولر

یونی ورسٹی کی تجاویز اِسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ اِسی طرح آپ اہلِ یورپ کی ترقّی کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہے۔ یہیں ان پر منکشف ہوا کہ یورپ کی علمی و تہذیبی ترقّی میں اخبارات ورسائل نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے، اور اس میں بیکن، ڈرائڈن اور بعد ازاں اسٹیل اور ایڈیسن اپنی قوم کی ترقّی و کام یابی کے لیے پیش پیش رہے ہیں۔ ''اسپیکٹیٹر'' اور ''ٹیٹلر'' اخبارات نے مستقل مزاجی سے قومی جدّوجہد میں حصّہ لیتے ہوئے اٹھارویں صدی کے زوال پذیر یورپ کی کایا پلٹ دی۔ سر سیّد اِن اخبارات سے متأثّر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، انھوں نے بھی اپنی قوم کو تباہی سے بچانے اور جہالت و ناکامی کے گرداب سے نکالنے کے لیے اِسی راہ کا انتخاب کیا۔[۶] چناں چہ سر سیّد احمد خان نے وطن واپس آکر ۲۴ر دسمبر ۱۸۷۰ء کو ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔[۷] اِس کی لوح بھی وہ لندن سے بنوا کر لائے تھے۔ یہ پرچہ مختلف ادوار میں تین بار نکلنے کے بعد بند ہوا۔ پہلی بار ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۶ء تک برابر نکلتا رہا۔[۸] اِن چھے سالوں میں اِس کے ایڈیٹر اور منیجر خود سر سیّد ہی رہے۔ اِس عرصے میں ۲۲۶ مضامین تہذیب الاخلاق میں شائع ہوئے، جس میں سے ۱۱۲ مضامین سر سیّد کے لکھے ہوئے ہیں۔[۹] دوسری بار تین سال کے وقفے پر ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۱ء تک جاری رہا، اور تیسری بار ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۷ء تک نکل کر مکمّل بند ہو گیا۔[۱۰] پہلے پرچے کی اشاعت پر سر سیّد نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ انھوں نے پرچے کے اجرا کی غرض وغایت کو پہلے شمارے کی تمہید میں واضح کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اِس پرچے کے اجرا سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجے کی سویلزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے، تاکہ جس حقارت سے سویلزڈ یعنی مہذّب قومیں ان کو دیکھتی ہیں، وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزّز ومہذّب قومیں کہلاویں۔ سویلزیشن انگریزی لفظ ہے، جس کا تہذیب ہم نے ترجمہ کیا ہے، مگر اِس کے معنی نہایت وسیع ہیں اور اِس سے مراد انسان کے تمام افعالِ ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور تمدّن، صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون اور ہنر کو اعلیٰ درجے کی عمدگی تک پہنچانا اور ان سے نہایت خوبی اور خوش اخلاقی اور تمکین اور وقار اور قدر ومنزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔''[۱۱]

سر سیّد احمد خان نے رسالہ تہذیب الاخلاق کے ذریعے تہذیبِ انسانی کے ساتھ ساتھ عوام میں علم وادب کا ذوق وشوق اُجاگر کرنے کی بھی سعی کی۔ وہ ایڈیسن اور اسٹیل کے اخبارات ''ٹیٹلر'' اور ''اسپیکٹیٹر'' جیسے مقاصد بھی حاصل کرنے کے خواہاں تھے، یعنی وہ اخلاق باختہ قوم کو اخلاق یافتہ اور ترقّی یافتہ بنانا چاہتے تھے۔ انھوں نے مختلف موضوعات جن پر بحث کی جاسکتی تھی، اور جو اختلافی نوعیت کے تھے، سب پر اظہارِ خیال کا سلسلہ شروع کروادیا۔ مذہب، مغربی تعلیم، تہذیب وتمدّن، فطری مباحث، تاریخ، فلسفہ، صنعت وحرفت، معاشرت، معیشت، سیاست، اردو زبان وادب غرض ہر شعبہ ہائے زندگی پر جب پہلی بار جرأت مندانہ انداز میں حقیقت بیانی سے کام لیا، تو اِن موضوعات نے زندگی کے تمام شعبوں میں ہلچل پیدا کردی۔ اگر ایک طرف قوم میں قومی شعور اُبھارنے سے اُن میں جوش وولولہ اور علمی وفکری حرارت پیدا ہوئی تو دوسری طرف تہذیب الاخلاق کے آغاز کے ساتھ ہی اعتراضات اور اختلافات کا سلسلہ بھی چل نکلا۔ آگرہ، کان پور، مراد آباد سے اِس کی مخالفت میں پرچے نکلنا شروع ہوئے۔ سر سیّد کی تکفیر کے فتووں کے لیے تگ ودو کی گئی۔ انھیں نازیبا الفاظ سے نوازا گیا۔ اس کے برخلاف سر سیّد کو ہر میدان میں مسلمانوں کی اصلاح مقصود تھی۔ مولانا حالی کا اِس ضمن میں یہ کہنا بجا ہے کہ اگر سر سیّد پرچے کا اجرا نہ کرتے اور مسلمانوں کی اصلاح کا خیال تج دیتے، تو ان کی مخالفت نہ ہوتی، لیکن جو تحریک اِس سے مسلمانوں میں پیدا ہوئی، اُس کا صدیوں تک کہیں نام ونشان نہ ملتا۔ (۱۲) سر سیّد ایک مضبوط قوّتِ ارادی کے مالک تھے۔ وہ صبر واستقامت کے کوہِ بلند تھے۔ کچھ ایسی ہی شان اُن کے رفقائے کار میں بھی سر سیّد کی صحبت سے پیدا ہوگئی تھی۔ چناں چہ ان باتوں کا مطلق اثر سر سیّد اور ان کے رفقا پر نہ ہوا، بل کہ ہر طعن وتشنیع اور بہتان طرازی نے اُن کے عزم وحوصلے کو مہمیز دی۔ لہٰذا تہذیب الاخلاق تواتر سے نکلتا رہا۔

گیارہ برس نکلنے والے تہذیب الاخلاق میں سب سے زیادہ مضامین لکھنے والے، متحرک اور سرگرم سر سیّد احمد خان ہی تھے۔ دیگر اہلِ قلم میں محسن الملک، مولوی چراغ علی، الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، وقارالملک وغیرہ نے بھی متعدّد مضامین سپردِ قلم کیے۔ ان سب کے مقاصد میں قومی اصلاح اور جدید علوم سے قوم کو بہرہ مند کرنے کا جذبہ کار فرما رہا ہے۔ سر سیّد نے اسٹیل اور ایڈیسن کی تقلید کرتے ہوئے اپنا سارا زور قوم کو مہذّب اور معزّز بنانے میں لگادیا، اور اس کام کو انھوں نے ایک فرض کے طور پر انجام دیا۔

"ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اِس مسکین پرچے کے ذریعے سے ہندوستان میں وہ کچھ کریں گے، جو اسٹیل اور ایڈیسن نے انگلستان میں کیا، بل کہ ہم یہ کہتے ہیں جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہے، ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں۔"(۱۳)

ایڈیسن اور اسٹیل کی نسبت سر سیّد کا معاملہ خاصا مختلف تھا۔ اسپیکٹیٹر اور ٹیٹلر کو مذہبی معاملات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ جب کہ تہذیب الاخلاق میں مذہب کو بھی موضوعِ بحث بنایا جا رہا تھا۔ اس علمی سفر میں سر سیّد کے ساتھ محسن الملک اور مولوی چراغ علی بھی پیش پیش تھے۔ دراصل مسلمان قوم قبیح عادات اور بے ہودہ رسم ورواج سے چمٹے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنے تئیں اِس کا تعلّق کسی نہ کسی طرح مذہب سے جوڑ رکھا تھا۔ ایسی صورتِ حال میں سر سیّد کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اپنی قوم کو رسومات کے مضر اثرات سے روشناس کراتے ہوئے مذہب پر بحث کی جائے، اور دونوں کے فرق کو ذہن نشین کرایا جائے۔ وہ بھی بہ حالتِ مجبوری ہی اصل مقصد سے ہٹ کر مذہبی بحث میں حصّہ لے لیا کرتے تھے۔

"اصل مقصد تو ہمارے اِس پرچے کا تہذیبِ قومی ہے۔ مسائلِ مذہبی کی بحث بہ مجبوری آجاتی ہے۔"(۱۴)

ان مذہبی اور علمی مباحث کی ترجمانی کا فریضہ اردو زبان ادا کر رہی تھی۔ سر سیّد اور ان کے رفقاے کار نے تہذیب الاخلاق میں دیسی زبان میں مضامینِ نو کا انبار لگا دیا۔ بالخصوص سر سیّد کے جدید اور متنوّع مضامین نے اردو زبان کے دامن کو وسعت عطا کی۔ یہ زبان وبیان پر گرفت ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے دقیق، عمیق، علمی، فنّی موضوعات اور خیالات کو انتہائی عام فہم اور سادہ انداز میں بیان کر دیا۔ انھوں نے اپنی زبان کا ناتا عام بول چال کی زندہ زبان سے برقرار رکھا۔ اپنے چہار جانب بولی جانے والی زبان ہی سے مضامین کے تانے بانے بُنے۔ ان کا اسلوبِ بیان سادگی وسلاست لیے ہوئے ہے۔ انھوں نے قدیم اسلوب کی بجاے سادگیٔ عبارت پر خصوصی توجّہ صرف کی ہے۔ حالاں کہ اُس زمانے میں اردو زبان میں ادق نگاری اور مسجّع عبارت کا چلن عام تھا۔ رنگینیٔ عبارت کو سراہا جاتا تھا۔ خود سر سیّد ابتدا میں اِس رنگ میں رنگ گئے تھے۔ "آثار الصّنادید" کا پہلا ایڈیشن اِس قدیم روش کی یادگار ہے، جس میں آپ نے پُر تکلّف اور پُر تصنع فارسی آمیز اسلوب اختیار کیا، لیکن جلد ہی اُنھیں احساس ہو گیا کہ اِس میں خیالات کا اظہار آسانی سے نہیں ہو سکتا، تو اُسے ترک کر دیا۔ تہذیب الاخلاق میں آپ کی صاف اور

شُستہ زبان کی روش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی، زندگی کے تمام موضوعات پر خامہ فرسائی کے لیے اِسے مفید سمجھا گیا، پھر آہستہ آہستہ اِسی طرز کو بہتر جانتے ہوئے اردو زبان میں اختیار کرلیا گیا۔ سرسیّد کا موقف تھا کہ زبان اتنی سادہ ہو کہ اُسے عام افراد بھی باآسانی سمجھ سکیں اور جو خیال مضمون میں پیش کیا جارہا ہو، وہ قلبی واردات و کیفیات کا حامل ہو، تاکہ اُس کا براہِ راست دل پر اثر ہو۔ اِس حوالے سے سرسیّد ایک موقعے پر لکھتے ہیں:

> ”جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کے علم وادب کی ترقّی میں ان ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی۔ مضمون کی ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا، جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی، الفاظ کی درستی اور بول چال کی صفائی پر کوشش کی، رنگینیٔ عبارت سے جو تشبیہات، استعارات خیالی سے بھری ہوتی ہیں اور جن کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اُس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اُس زمانے میں مقفّٰی عبارت کہلاتی ہے ہاتھ اُٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجّہ کی، اس میں کوشش کی، جو لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو، وہی دوسرے کے دل میں پڑے، تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔“(۱۵)

سرسیّد احمد خان نے اپنی اس بات کی پاسداری بھی کی، اور انھوں نے تمام عمر مختلف مضامین کے ذریعے اپنی بات لوگوں کے دلوں میں اتارنے اور نقش کرنے کی مسلسل کوششیں کی ہیں، اور اِس میں وہ سُرخرُو بھی ہوئے ہیں۔ تہذیب الاخلاق میں لکھے گئے کثیر مضامین سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں کسی بھی موضوع کو بیان کرنے پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ اُن کے مضامین میں کوئی بھی خیال، شے، واقعہ، معاملے کا بیان اِس طرح شرح وبسط کے ساتھ حقیقت پسندانہ انداز میں اجاگر ہوا کہ اُس میں کسی قسم کا ابہام یا تشنگی کا احساس نہیں رہتا۔ یہ معرکہ آپ نے فطری اندازِ بیان اختیار کرتے ہوئے سر کیا۔ آپ نے اپنے اِس اندازِ نگارش کو اُس وقت فروغ دیا کہ جب نثر کی جگہ نظم کا طُوطی بول رہا تھا۔ وسعتِ بیاں کے لیے نثر کا دامن محدود نظر آرہا تھا۔ اردو زبان پر فارسی کے اثرات موجود تھے۔ زبان کے فروغ وارتقا میں قواعد وضوابط کی پابندیاں بھی موجود تھیں۔ اِس گمبھیر صورتِ حال میں کسی رائج طرزِ بیان کو اپنانے کی بجاے سرسیّد نے اپنی ایک الگ راہ اختیار کی۔ اپنی خودمختاری کا بہ بانگِ دُہل اعلان کردیا۔ یعنی اردو زبان میں اپنے نام سے مقصدی جدّوجہد کا ایک الگ چراغ روشن

کر دیا، اور پھر وہ چراغ سے چراغ روشن کرتے رہے۔ یوں قومی بھلائی کے دِیے فروزاں ہوتے گئے۔ مصلحِ اعظم ہونے کے سبب اخلاق، اعمال، مذہب، تعلیم، سیاست، معیشت اور زبان وادب غرض ہر شعبے کو آپ اصلاح کے قمقموں سے منوّر کرنے لگے، جو وقت کا تقاضا تھا۔ اِسی مقصدی فکر کو آپ نے مشعلِ راہ بنائے رکھا۔ چناں چہ مقصدیت کے اِس چراغ نے تہذیب الاخلاق کی وساطت سے اردو زبان کو مالا مال کیا۔

اردو شاعری میں دل آویزی اور خوب صورتی پیدا کرنے کی غرض سے صنائع بدائع اور علمِ بیان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اردو نثر میں بھی اِس کا التزام کیا جاتا ہے۔ سر سیّد احمد خان نے بھی اپنی نثری تحریروں میں اِسے خوب برت کر اپنی فنّی مہارت کا ثبوت دیا۔ تہذیب الاخلاق کے مضامین میں آپ نے تشبیہات، استعارات، تلمیحات کے مناسب وبر محل استعمال سے تحریر میں علمی شان اور وقار پیدا کر دیا۔ انھوں نے تحریر کو پُر اثر اور پُر لطف بنانے کے لیے دور از کار تشبیہوں اور استعاروں سے دانستہ گُریز کرتے ہوئے اعتدال اور جدّت طرازی کو اختیار کیا ہے۔ اِسی وجہ سے قاری پر اِن کی تحریروں کا مکمّل ابلاغ ہوتا ہے اور وہ نافہمی کی بُھول بھلیّوں میں گُم نہیں ہوتا۔ انھوں نے موزوں تشبیہات واستعارات کے استعمال سے اپنی نثر میں ظاہری اور معنوی حُسن پیدا کرتے ہوئے صداقت اور حقیقت کو بھی ملحوظ رکھا ہے، یعنی سر سیّد نے ان صنعتوں کو برتتے ہوئے اُس عہد کے تقاضوں کے برخلاف مبالغے اور رمزیت سے تقریباً بچ کر اردو زبان پر کامل دسترس کا ثبوت دیا ہے۔ مذکورہ صنائع کا استعمال انھوں نے تہذیب الاخلاق کے مضامین ''اُمّید کی خوشی''، ''آدم کی سرگذشت''، ''رسم ورواج''، ''تعصّب''، ''کاہلی''، ''خوشامد''، ''مخالفت''، ''گزرا ہوا زمانہ''، ''غلامی''، ''اخلاق''، ''ہم دردی''، ''تعلیم وتربیت''، ''آزادیٔ رائے'' اور ''بحث وتکرار'' وغیرہ میں کیا ہے۔ آخری الذّکر مضمون میں انسانی خصلت اور جہالت کا ذکر طنز ومزاح کے پیرائے میں کیا ہے۔ اِس میں سر سیّد نے استعاراتی انداز میں کتّوں کے جنگ وجدل کا نقشہ غیر مہذّب انسانوں کے فضول بحث ومباحثے سے کھینچا ہے۔ یہاں ایک ہی مثال پر اکتفا کروں گا۔

> ''نامہذّب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کرکے آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔ پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے، دوسرا بولتا ہے، واہ یوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے، واہ تم کیا جانو۔

وہ بولتا ہے تم کیا جانو۔ دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے۔ رُخ بدل جاتا ہے۔ آنکھیں ڈراؤنی ہو جاتی ہیں۔ باچھیں چر جاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تھوک اُڑنے لگا ہے۔ باچھوں تک کف بھر آتے ہیں۔ سانس جلدی چلتی ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ، ناک، بھوں، ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ آستین چڑھا ہاتھ پھیلا اُس کی گردن اُس کے ہاتھ میں اور اُس کی داڑھی اُس کی مٹّھی میں، لپّاڑ کی ہونے لگتی ہے، کسی نے بیچ بچاؤ کرکے چھڑا دیا تو غرّاتے ہوئے ایک اِدھر چلا گیا، اور ایک اُدھر۔ اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور پٹ کر کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی۔"(۱۶)

سر سیّد احمد خان جدید طرزِ فکر اور ترقّی پسند سوچ کے حامل تھے۔ انھوں نے ادب کو تفریحِ طبع اور نظریۂ قدیم "ادب برائے ادب" کی جگہ "ادب برائے زندگی" اور قومی بھلائی کا ذریعہ بنایا۔ زمانے میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ لوگوں کے اندازِ نظر میں کیا تغیّرات واقع ہو رہے ہیں۔ زبان کو کس طرح ترقّی یافتہ بنایا جا سکتا ہے۔ اِس نوع کی تمام باتوں سے سر سیّد واقف تھے۔ اِن وجوہ سے انھوں نے زبان کی ترقّی کو ہر جا اہمیت دی ہے۔ وہ زبان میں نئے نئے الفاظ داخل کرنے کے بھی زبردست حامی رہے۔ وہ اِس حقیقت سے آگاہ تھے کہ ایسا نہ کرنے سے زبان محدود اور مردہ ہو جاتی ہے، اور اس کی نشوونما پانے کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ اِسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی تصنیفات اور رسالہ تہذیب الاخلاق کے مضامین میں انگریزی زبان کے الفاظ کا خوب استعمال کیا، اور اِس حوالے سے انھوں نے اپنے ہم کاروں کو بھی تحریک دی ہے۔ بعض ناقدین نے اردو زبان میں انگریزی الفاظ کے استعمال کو عیب سے تعبیر کیا ہے۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی نظر میں یہ عمل ذوقِ سلیم کے لیے خوش گوار نہیں۔(۱۷) اگر ہم سر سیّد کے زمانے کو چشمِ تصوّر میں لائیں اور پھر اُن کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ بات ہم پر آسانی سے عیاں ہو جائے کہ سر سیّد زندگی کے تقاضوں، نت نئے حالات و واقعات اور معاملات سے جان چھڑانے، ذمّے داریوں سے راہِ فرار اختیار کرنے یا غافل رہنے والوں میں سے نہیں تھے، بلکہ وہ اُن سے ہم آہنگ اور نبرد آزما ہونے کے لیے ہمہ دم تیّار رہتے تھے۔ عہدِ سر سیّد میں انگریزی تعلیم اور حکمراں طبقے سے میل جول وقت کی اہم ضرورت تھی۔ قوم کو انگریزی زبان سے متعارف کرانے اور قریب لانے کا یہ نادر موقع تھا۔ زبان کی وسعت اور اسے متحرک رکھنے کا

منطقی جواز بھی تھا۔ اِنھی باتوں کے پیشِ نظر سر سیّد نے اپنی تحریروں میں انگریزی الفاظ کو جگہ دی، اور یہ کام انھوں نے دانستہ انجام دیا۔ لطف یہ ہے کہ انگریزی میں مہارت نہ ہونے کے باوجود بھی وہ اِس کے استعمال میں منہمک رہے۔ یہ عمل وسعتِ زبان کا موجب بنا ہے۔ اِس سے دیگر زبانوں کی طرح اردو زبان میں غیر زبان کے الفاظ کھپنے کی صلاحیّت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جسے سر سیّد نے اردو زبان میں استعمال کر کے اردو کا حصّہ بنانے کی شعوری کاوش کی۔ انگریزی الفاظ کے اِس استعمال سے کم پڑھے لکھے افراد بھی مستفید ہوئے، جو اردو زبان کے لیے نیک فال ثابت ہوا۔

سر سیّد احمد خان کا رسالہ تہذیب الاخلاق نے اصنافِ ادب کے ارتقا میں مؤثّر کردار ادا کیا ہے۔ آپ اور دیگر اہلِ قلم کی بدولت مضمون نویسی، تاریخ نویسی، ناول نگاری، سوانح عمری، تنقید نگاری اور نظمِ جدید کی صحیح معنوں میں بنا پڑی۔ بالخصوص تہذیب الاخلاق کے وسیلے سے اردو ادب کی صنف مضمون نگاری کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اور اِس کا سہرا سر سیّد کے سر ہے۔ سر سیّد کی محنتِ شاقّہ نے اِسے نکھار بخشا۔ اگرچہ تہذیب الاخلاق سے بہت پہلے دہلی کالج کا رسالہ "قران السّعدین" (۱۸۴۵ء) سے اردو میں مضمون نگاری کا آغاز ہو چکا تھا۔ اِسی عہد میں ماسٹر رام چندر کے رسالے "فوائد النّاظر"، "محبِّ وطن" اور "محبِّ ہند" بھی منظرِ عام پر آ چکے تھے۔ [۱۸] ان رسائل میں سائنسی، معاشرتی، تاریخی، مذہبی، جغرافیائی موضوعات پر مضامین اردو زبان میں لکھے گئے۔ مضمون نویسی جس متانت، گہرائی و گیرائی، اصول و ضوابط، متعلّقہ معلومات کی متقاضی ہوتی ہے، اور مضمون نگار کی جودتِ طبع، ذہنی اُپج، تخیل و تحیر، مشاہدہ و تجربہ کی مرہونِ منّت ہوا کرتی ہے۔ محوّلہ بالا رسائل مکمّل طور پر اُس پر پورا نہیں اُترتے۔ اُس زمانے میں مضمون نگاری کی کوئی باقاعدہ مضبوط روایت نہیں ملتی، جو لکھے بھی گئے، وہ مذہبی نوعیّت یا داستانی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، یعنی وہ حقیقت نگاری اور ادبی دل کشی سے تہی تھے، جب کہ مضمون نویسی کے جملہ اصول و قواعد سے تہذیب الاخلاق آغاز ہی سے آشنا دکھائی دیتا ہے۔ اِسی رسالے کے تحت مضمون نگاری کی باقاعدہ داغ بیل ڈالی گئی۔ سر سیّد احمد خان تہذیب الاخلاق میں مضمون نویسی کا سنگِ بنیاد رکھ کر قوم کی خدمت اور اردو زبان و ادب کی معاونت میں جُت گئے۔ یعنی اردو زبان کو انھوں نے قوم کا ترجمان بنا دیا۔ پیچیدہ سے پیچیدہ اور مشکل سے مشکل موضوع کو آپ نے سادہ اظہارِ بیان میں احسن طریقے سے پیش کر دیا۔ آپ کے توسّط سے اردو زبان و ادب کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مباحثے کا سلسلہ شروع ہوا۔ مضمون کیسے لکھا جاتا ہے۔ زبان میں خیالات کو کیسے پرویا جاتا ہے۔

اس قسم کے تمام اسرار و رموز اور معائب و محاسن کا ادراک قوم کو تہذیب الاخلاق کے وسیلے ہی سے ہوا۔ اِس کے علمی، اخلاقی، قومی اور سماجی موضوعات نے مضمون نگاری کو جدید خطوط پر اُستوار کیا اور اِس طرح اردو زبان کی صنف مضمون نویسی کو تہذیب الاخلاق کے ذریعے تقویت ملی۔

سر سیّد احمد خان کا شمار اردو زبان کے جدید نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی نثر ان کی شخصیت کی آئینہ دار ہے۔ تہذیب الاخلاق میں شائع سر سیّد کے مضامین نے جہاں ایک طرف قوم کو توہّم پرستی، تساہل پسندی، خود غرضی، منجمد مذہبی عقائد، تعصّب، اندھی تقلید، فرسودہ طرزِ تعلیم، جاہلانہ اعتقادات سے نجات دلائی اور اُنھیں جدید علوم و فنون، انگریزی تعلیم، جذبۂ آزادی، عزمِ جزم، عقلی اور فطری تصوّرات، حقیقت پسندانہ نظریات، روشن خیالی، فرض شناسی، بلند حوصلگی، محنت و جفاکشی، اخلاقی جرأت، ضبط و تحمل سے متعارف کرایا۔ اِس تعارف کا فریضہ زبانِ اردو نے ادا کیا، جس کی بنا پر تیزی سے اردو زبان کی ترقّی کے مدارج طے ہوئے۔ وہیں دوسری جانب سر سیّد کی نثر پر اعتراضات بھی کیے گئے کہ اُس میں طویل جملے، تکرارِ لفظی، ناگوار الفاظ اور قواعد سے بے اعتنائی پائی جاتی ہے۔ جہاں تک الفاظ کی تکرار کا تعلّق ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سر سیّد اوّل و آخر مصلح ہیں۔ مضامین میں الفاظ پر زور دینے اور ذہن نشین کرانے کی غرض سے انھوں نے یہ اہتمام کیا ہے، اور ایسے موقعوں پر وہ اعتدال کا دامن تھامے رہے ہیں۔ اگر یہ تکرار کہیں کھٹکتی ہے تو کہیں کانوں میں رس گھولتی ہے۔ زبان و بیان میں صوتی حسن اسی تکرار کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ رہی بات سر سیّد کی تحریروں میں طویل جملوں اور قواعد سے روگردانی کی، تو اِس سے انکار نہیں، یہ سُقم بہر حال اُن کے ہاں موجود ہے۔ جس نے تحریر کے حُسن کو مجروح کیا ہے۔ ان خامیوں کو زیرِ بحث لاتے وقت اگر ہمارے اذہان سر سیّد کے اوقاتِ بسری اور ان کے عظیم مقاصد سے واقف ہوں، تو پھر معترضین کی نگاہ میں وہ خامیاں نہیں رہتیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے سر سیّد کے کاموں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، اُس کا مختصر ذکر ملاحظہ فرمایئے:

> ’’سر سیّد بلا کے کام کرنے والے تھے۔ تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے تھے۔ اخبار اور ’’تہذیب الاخلاق‘‘ کے لیے مضامین بھی لکھتے تھے۔ معترضین کے جواب بھی دیتے تھے۔ کالج کے حساب کتاب اور دوسرے اہم کاموں اور عمارتوں کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ رپورٹیں تیّار کرتے اور اڈریس لکھتے، لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کے زمانے میں تقریریں کرتے۔ خطوں کے جواب لکھتے یا لکھواتے۔ ملاقاتیوں سے ملتے۔ مسلم

ایجوکیشنل کانفرنس اور دوسرے جلسوں کا انتظام کرتے۔ کس کس کام کا ذکر کیا جائے۔ کاموں کا ایک ہجوم تھا، جسے وہ استقلال اور اطمینان سے صبح سے لے کر شام تک برابر کرتے تھے۔"(۱۹)

مصروفیت کے اِس عالم میں زبان کی نوک پلک سنوارنے اور الفاظ کی میناکاری کرنے میں سر سیّد کی توجّہ کہاں مرتکز ہوسکتی تھی۔ اُن کی توجّہ کا مرکز و محور مادّی اقدار تھیں۔ اصلاحی مشن اُن کے پیشِ نظر تھا۔ یقیناً اُن کی اوّلین ترجیح مدّعا نگاری رہی ہوگی۔ انھوں نے مدّعا کو پیرایۂ بیان پر ہمیشہ مقدّم جانا ہے۔(۲۰) عدیم الفرصت کے باعث سر سیّد کے پاس ایک دفعہ لکھنے کے بعد نظرِ ثانی اور نظرِ ثالث کا وقت نہ تھا۔ لہٰذا کسریں ناگزیر تھیں۔

تہذیب الاخلاق کے رسالوں کی ورق گردانی نے راقم کو املا کی طرف بھی متوجّہ کیا، جس کا یہاں ضمناً ذکر کیا جارہا ہے۔ آج کی نسبت اُس دور کے بعض لفظوں کی صورت میں خاصا تفاوت ہے۔ مثلاً انّیس ویں صدی کے تہذیب الاخلاق میں لفظوں میں ہاے ملفوظ کی جگہ ہاے مخلوط کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً: "دھقان"، "جاھل" وغیرہ۔ اِسی طرح ہاے حطی کی جگہ پر بھی ہائے مخلوط ہی نظر آیا۔ مثلاً: "مھنتی"، "ماتھت" وغیرہ۔ الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رواج سر سیّد کے زمانے میں بھی تھا، چناں چہ تہذیب الاخلاق میں اِس کا خوب التزام کیا گیا ہے۔ دو دو، تین تین لفظوں کو ملا کر لکھا گیا ہے۔ اِسی طرح یاے معروف "ی" جب بھی کسی لفظ کی آخر میں آئی ہے، تو اس کے نیچے دو نقطے لگانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں "ٹ"، "ڈ"، "ڑ" والے الفاظ کو منقوط بنایا گیا ہے۔ یعنی "ط" کی جگہ چار نقطے لگا دیے گئے ہیں۔ دراصل اِس طرح کی اردو کا اُس زمانے میں چلن تھا، جس کی پیروی سر سیّد نے بھی کی اور جب آہستہ آہستہ اردو زبان میں تغیّر و تبدّل ہوتا گیا، اُسے مصلحِ قوم اور ان کے رفیقانِ سفر بھی قبول کرتے گئے۔ یوں اردو زبان نے اپنے ارتقائی مرحلے بہ حسن وخوبی طے کر لیے۔

سر سیّد احمد خان ایک عہد ساز شخصیت تھی۔ ہندوستان قوم کی ذہن سازی یعنی زاویۂ فکر و نظر میں عظیم انقلابی تبدیلیاں آپ ہی کے توسّط سے ہوئیں۔ ایسا ہی تغیّر اردو زبان وادب پر آپ کے ذریعے سے رونما ہوا۔ سر سیّد کے تہذیب الاخلاق میں مرقوم تقریباً ۱۷۵ مضامین(۲۱) نے ہمارے اردو ادب کی سمت بدل دی۔ پہلی بار ادب کو تفریحِ طبع کی بجاے مفادِ عامّہ کے لیے استعمال کیا گیا۔ آپ کی جہدِ مسلسل اور افکار و نظریات سے اردو زبان نے صدیوں کا سفر چند سالوں ہی میں بڑی سُرعت کے ساتھ

طے کر لیا۔ زبان کو سنوارنے اور منظّم کرنے کا یہ سفر خزاں سے بہار، اندھیرے سے اُجالا اور نہاں سے عیاں کی جانب تھا۔ اِس سفر کو منزل سے ہم کنار کرنے میں سر سیّد کے رفیقانِ سفر بھی پیش پیش رہے۔ سر سیّد کی تحریک سے نظم ونثر میں وسعتِ نظری اور روشن خیالی پر زور دیا گیا۔ بالخصوص اردو شاعری تنگ اور محدود دائروں سے نکل کر زندگی کے حقیقی اور فطری موضوعات کو بیان کرنے کی ترجمان بن گئی۔ سر سیّد کے دبستانِ ادب نے نظمِ جدید کی بنیادیں رکھنے کے ساتھ ساتھ نثری اصناف، تنقید نگاری، صحافت، تراجم، مضمون نویسی، سیرت نگاری، تاریخ نویسی، ناول نگاری کی بلند وبالا عمارات تعمیر کیں اور اِن اصنافِ ادب کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ اردو زبان کی یہ ترقّی وترویج درحقیقت رسالہ تہذیب الاخلاق اور سر سیّد کی استعانت کی بدولت ہوئی۔ یوں اردو زبان ہندوستان کی تمام زبانوں پر فوقیت رکھتے ہوئے ایک ترقّی یافتہ زبان کے طور پر ہمارے سامنے آئی، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی ترقّی پذیر زبانوں کے ہم پلّہ آ کھڑی ہوئی۔

حوالہ جات

۱۔ حامد حسن قادری (مؤلّفہ)، داستانِ تاریخ اردو، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۸۸ء، ص ۳۰۲۔

۲۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق، سر سیّد احمد خان حالات وافکار، کراچی: انجمن ترقّیٔ اردو پاکستان، اشاعتِ سوم: ۱۹۹۸، ص ۱۱۳

۳۔ حامد حسن قادری، محوّلہ بالا، ص ۳۰۴

۴۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق، محوّلہ بالا، ص ۱۰۷

۵۔ حامد حسن قادری، محوّلہ بالا، ص ۳۰۵-۳۰۴

۶۔ اے ایچ کوثر، اردو کی علمی ترقّی میں سر سیّد اور اُن کے رفقائے کار کا حصّہ، کراچی، لائبریری پروموشن بیورو، ۱۹۸۴ء، ص ۱۰۱-۱۰۰

۷۔ منظر اعظمی، اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصّہ، لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۶ء، ص ۲۳۵

۸۔ حامد حسن قادری، محوّلہ بالا، ص ۳۰۶

۹۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، لاہور: آئینۂ ادب، ۱۹۶۶، ص ۱۸۵، ۱۸۹

۱۰۔ ثریّا حسین، سر سیّد احمد خان اور اُن کا عہد، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳، ص ۲۴۵

۱۱۔ سر سیّد احمد خان، تہذیب الاخلاق، جلد اوّل نمبر ۱، شمارہ ۱، علی گڑھ: علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس، یکم شوّال ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء، ص ۱

۱۲۔ مولانا الطاف حسین حالی، محوّلہ بالا، ۱۸۷-۱۸۶

۱۳۔ سر سیّد احمد خان، ''تہذیب الاخلاق''، جلد سوم، یکم محرّم الحرام ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء، محوّلہ بالا، ص ۵

۱۴۔ خان، سر سیّد احمد، ''تہذیب الاخلاق''، جلد ۵، شمارہ ۱۵، یکم محرّم الحرام ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء، محوّلہ بالا، ص ۳

۱۵۔ خان، سر سیّد احمد، ''تہذیب الاخلاق''، جلد ۲، شمارہ ۱، یکم محرّم الحرام ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء، محوّلہ بالا، ص ۳

۱۶۔ سر سیّد احمد خان، مقالاتِ سر سیّد، جلد دہم، مرتّبہ: محمّد اسماعیل پانی پتی، لاہور: مجلسِ ترقّیٔ ادب، ۱۹۶۲ء، ص ۵۰-۴۹

۱۷۔ ڈاکٹر سیّد عبد اللہ، سر سیّد احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم: جون ۱۹۸۹ء، ص ۵۱

۱۸۔ ڈاکٹر صفیہ مشتاق ،اردو مضمون نگاری کا ارتقا ۱۹۰۰ء تا ۱۹۴۷ء، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۲۴۔ ۲۳

۱۹۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبد الحق، محوّلہ بالا، ص ۱۹

۲۰۔ مشتاق احمد، ڈاکٹر، سر سیّد کی نثری خدمات، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، اشاعتِ اوّل: دسمبر ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۹

۲۱۔ سیّد سلطان محمود، اردو کی نثری تاریخ میں سر سیّد کا مقام، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، اشاعتِ اوّل: ۱۹۷۱ء، ص ۱۱۵